بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فکر و نظر

ایڈیٹر

ہم اپنے مجلہ **"علوم اسلامیہ"** کا یہ شمارہ اپنے قارئین کی خدمت میں احساسِ اعتذار، پاسِ تشکر اور جذبۂ مسرت و انبساط کے ملے جلے نفسیاتی احوال میں پیش کر رہے ہیں: احساسِ اعتذار اس بات پر کہ یہ مجلہ جسے ہم جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے آغاز سے پیش کر رہے تھے، ۱۹۷۶ء سے اب تک بعض مالی مشکلات و دیگر ناگزیر حالات کے سبب جاری نہ رکھ سکے۔ پاسِ تشکر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جناب پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد صاحب کی اس یونیورسٹی میں بحیثیت وائس چانسلر تشریف آوری کی برکت سے ہمارے لیے یہ اسباب پیدا کر دیے کہ ہم اسلامی تعلیمات کے اس تحقیقی ترجمان کا پھر سے احیاء کر سکیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب کا تمام عرصۂ ملازمت ایک استاد کی حیثیت سے ملک کی عظیم تر اور قدیم یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی میں گزرا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ صدر شعبہ، ڈین فیکلٹی اور پرو وائس چانسلر وغیرہ جیسے اہم کلیدی انتظامی عہدوں پر بھی فائز رہے ہیں۔ آپ یونیورسٹی کی متعدد علمی و انتظامی کمیٹیوں کے سربراہ یا ممبر بھی رہے ہیں، حتیٰ کہ یونیورسٹی کے اصرار پر بعض کمیٹیوں کو آپ کی سرپرستی اب بھی حاصل ہے۔ علاوہ ازیں آپ صوبائی و مرکزی حکومتوں کی کئی اہم کمیٹیوں کے بھی رکن ہیں۔ اس کے سبب آپ کو ایک یونیورسٹی کے تعلیمی، تحقیقی، انتظامی اور ترقیاتی تمام تقاضوں اور مسائل سے بخوبی آگاہی حاصل ہوگئی ہے۔ اس وسیع ہمہ گیر تجربے نے آپ میں رائے کی پختگی کے ساتھ ایک باوقار متانت پیدا کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے اوپر وہ اعتماد بخشا ہے جو اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو ایسی جگہ پر ہوتا ہے جس کا وہ خود اپنی نگاہوں

میں اور دوسروں کی نگاہوں میں اپل ہوتا ہے ۔ آپ اس یونیورسٹی میں تشریف آوری کے بعد جہاں اس کے انتظامی ، تعلیمی اور ترقیاتی شعبوں کو اصلاحات سے روشناس کرا رہے ہیں ، وہاں تحقیقی پہلو کو بھی اپنی توجہ سے محروم نہیں رکھا ۔ آپ نے اس مجلہ کے احیاء کے ساتھ اس یونیورسٹی کی سائنس فیکلٹی سے بھی ایک تحقیقی ترجمان شائع کیے جانے کے احکامات صادر فرمائے ہیں ۔

اس مجلے کے زیر نظر شمارے میں دیگر مقالات کے علاوہ اجتہاد کے موضوع پر چار وقیع مقالات بھی شائع کیے جا رہے ہیں ۔ اسلامی شریعت کے نفاذ کے سلسلے میں حکومت پاکستان جو مبارک اور مسعود کوششیں کر رہی ہے ، ہر سچے محب وطن پاکستانی پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان کوششوں کو کامیاب بنانے میں بہترین علمی ، عملی اور فکری تعاون پیش کرے ۔ ان مقالات کے پیچھے یہی ملی جذبہ کارفرما ہے

ان مقالات میں سے پہلا مقالہ اسلامیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد صاحب کا ہے ۔ آپ کا شمار ملک کے چیدہ ماہرین معاشیات سے ہوتا ہے ۔ آپ نے اسلامی معاشی اقدار اور اجتہاد کی اساس کے عنوان کے تحت اپنے مقالے میں یہ ثابت کیا ہے کہ کسی قوم کا معاشی نظام اس کے ان افکار و تصورات پر استوار ہوتا ہے جو اس کی تہذیب و تمدن کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں ۔ کسی قوم کے دینی یا مذہبی عقائد ، اس کی اخلاق اقدار اور معاشرتی طور طریقے نہ صرف یہ کہ دولت کی پیداوار کو متاثر کرتے ہیں بلکہ اس کی تقسیم کے نظام کے لیے نقطۂ نظر اور اس کے خدو خال کا بھی تعین کرتے ہیں ۔ اسلام نے عقیدہ و عمل کا ایک ایسا جامع نظام دیا ہے جو بیک وقت متنوع اور مثال زمانہ گونا گوں ہونے کے ساتھ یکسانیت ، وحدت اور مرکزیت کا بھی آئینہ دار ہے ۔ علامہ اقبال ضرب کلیم کی ایک نظم 'مدنیت اسلام' میں یوں کہتے ہیں :

طلوع ہے صفت آفتاب اس کا غروب
یگانہ اور مثال زمانہ گونا گوں !

حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسم افلاطوں

دور حاضر میں پیدائش دولت کے عدم توازن اور منصفانہ تقسیم کے فقدان کے باعث انسانیت معاشی لاینحل مسائل اور معاشرتی خوفناک الجھنوں میں گرفتار ہے اور ان کے حل کے لیے وہ ایک نئے عالمی اقتصادی نظام کی تلاش میں سرگرداں ہے ۔ ایک ماہر معاشیات کی حیثیت سے پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد صاحب کو یقین ہے کہ ان مسائل کا صحیح حل اسلامی اقدار کی پیروی میں مل سکتا ہے ۔ اس لیے آپ تجویز کرتے ہیں کہ ہمارے علماء و فضلاء روایتی اجتہادی کاوشوں سے کام لے کر دنیا کے سامنے علمی

اعتبار سے یہ ثابت کریں کہ آج کے معاشی مسائل کو اسلام کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا انداز بحث مدلل، مربوط، شستہ اور بیحد مؤثر ہے۔ اگرچہ یہ مضمون اس سے پہلے بھی کسی رسالے میں شائع ہو چکا ہے تاہم اس کی افادیت کے پیشِ نظر ہم نے اس کو اپنے مجلے کی زینت بنایا ہے، تاکہ ہمارے قارئین بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

* * * *

اجتہاد کے عنوان پر دوسرا مقالہ پروفیسر مرزا محمد منور صاحب کا ہے۔ مرزا صاحب نے اجتہاد کے موضوع پر علامہ اقبال کے خصوصی حوالے سے بحث کی ہے، اور ایک تفصیلی بحث کے بعد اس کو واضح کیا ہے کہ علامہ اقبال ہمارے عام فقہاء کی طرح اجتہاد کے لیے قرآن و حدیث اور اجماع کو بنیاد مانتے تھے۔ مرزا صاحب علامہ کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"قیاس اسی موقعے پر عمل میں آئے گا جہاں کتاب و سنۃ اور اجماع رہنمائی نہ کرے۔"

اجتہاد کے موضوع پر گفتگو کرنے والے حضرات کئی الفاظ، مثال کے طور پر، اجتہاد، قیاس، استدلال، استنباط اور استخراج وغیرہ کا استعمال ایک دوسرے کی جگہ پر عام کرتے ہیں۔ ہمارے فقہاء اور اصولیین بھی جب مآخذ قانون (Sources of Law) کا ذکر کرتے ہیں، تو وہ چوتھے ماخذ کے طور پر اجتہاد کا نہیں بلکہ قیاس کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر قیاس کی تفصیلی بحث میں قیاس، استخراج، استنباط یا استدلال کرنے والے کو قائس، مستخرج، مستنبط یا مستدل شاذ و نادر ہی کہتے ہیں۔ بلکہ ان سب کے لیے ان کے ہاں ایک ہی لفظ مجتہد ہے جس کا عام استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے اصولِ فقہ کی رو سے لفظ اجتہاد کی نوعیت اور وسعت کا اجمالی جائزہ لے لیا جائے تو اس سے امید ہے مسئلہ کے صحیح خدو خال متعین کرنے میں مدد ملے گی۔

اصول فقہ کے ماہرین کی تصریحات کا بغور مطالعہ کرنے سے عیاں ہوتا ہے کہ اجتہاد کا لفظ عام ہے اور استنباط، قیاس، استدلال، استخراج سب پر حاوی ہے۔ اس لیے لفظِ اجتہاد کے دامن میں درج ذیل بڑے بڑے ابواب آ جاتے ہیں:

۱۔ الاجتہاد بالاستدلال۔
۲۔ الاجتہاد بالقیاس۔
۳۔ الاجتہاد بالرأی الغالب۔
۴۔ الاجتہاد بالقیاس علی حکم ثبت بالقیاس۔

ان ابواب کا اجمالی تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱- الاجتہاد بالاستدلال

اجتہاد کا پہلا باب الاجتہاد بالاستدلال ہے - یعنی قرآن و حدیث کی نصوص سے مسائل کا براہ راست استخراج کرنا ، چوتھی صدی کے عظیم مفسر ، فقیہ اور اصولی ابوبکر الجصاص اپنی کتاب الفصول فی الاصول میں اسے ' الاستدلال علی الحکم بالاصول' (ص ۶۰) سے تعبیر کرتے ہیں - ایک جانی پہچانی اور آسان سی بات ہے ، اسی کو بطور مثال لیا جا سکتا ہے - اُمید ہے اس سے مزید وضاحت ہو جائے گی - ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی ابتدا میں ایک بڑی تعداد مانعینِ زکوٰۃ کی بھی پیدا ہو گئی تھی - حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ فرمایا :

لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ

کہ میں ان تمام لوگوں کے خلاف جہاد کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں - ابتداء میں بہت سے نامور صحابہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف سے اختلاف تھا - شاید ان سب کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گفتگو کی اور یہ دلیل پیش کی کہ آپ ان لوگوں سے جہاد کیسے کر سکتے ہیں جب کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں وارد ہوا ہے :

امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لا الہ الا اللہ ، فاذا قالوھا ، عصموا منی دماء ھم واموالھم ، الا بحقھا

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا :

ھذا من حقھا

گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ آپ اس صورت حال پر اس حدیث کے مرکزی حصہ فاذا قالوھا ، عصموامنی دماء ھم و اموالھم کا اطلاق کر کے اس سے استدلال کر رہے ہیں جب کہ اس صورت حال پر اس حدیث کے آخری حصے ' الا بحقھا ' کا اطلاق ہوگا - اس استدلال سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انشراح صدر ہوا - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور دیگر تمام صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استدلال سے اتفاق کیا -

مسائل کے استنباط کے سلسلے میں ضروری نہیں کہ ایک آیت یا اس کے کسی ایک حصے سے استدلال کیا جائے ، بلکہ بعض اوقات کئی آیات کے مجموعی معنی سے ایک مفہوم اُبھرتا ہے - یہ بھی کسی مؤقف کی دلیل بن سکتا ہے - مثال کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں عراق اور شام کے دیہاتی علاقوں کی زمینیں عرب مجاہدین میں تقسیم نہیں کی تھیں - اس پر بہت احتجاج ہوا - یہ حضرات حضرت بلال اور حضرت زبیر کی قیادت میں کئی بار وفد لے کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے - امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں (ص ۲۴)

فابی عمرؓ ذلک علیهم ، و تلا هذه الآیات ، وقال : قد اشرک الله الذین یاتون من بعدکم فی هذا الفیٔ ، فلوقسمته لم یبق لمن بعدکم شیئا

کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقسیم کرنے سے انکار کر دیا ، انھوں نے اپنا استدلال بیان کرتے ہوئے سورۃ الحشر کی چار آیات (۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰) تلاوت کیں ، اور فرمایا : اللہ تعالیٰ نے اس فیٔ میں ان لوگوں کو بھی شریک کیا ہے جو تمھارے بعد آئیں گے ۔ اب اگر میں اس کو آپ لوگوں میں تقسیم کر دیتا ہوں تو تمھارے بعد آنے والوں کے لیے کچھ بھی نہیں بچے گا ۔

ابوبکر الجصاص اپنی کتاب الفصول فی الاصول (ص ۶۱) میں لکھتے ہیں :

فعرفوا صحة استدلاله و رجعوا الی قوله

کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استدلال کے قائل ہوگئے ۔ انھوں نے اپنا مؤقف چھوڑ دیا ۔

اجتہاد کے اس باب پر ہمارے اسلاف نے مستقل کتب بھی لکھی ہیں ۔ مثال کے طور پر ابن العربی کی احکام القرآن اور ابوبکر الجصاص کی احکام القرآن وغیرہ ۔ ان کے علاوہ ہمارے علماء اصولیین نے کتاب اللہ پر جو بحث کی ہے وہ نصوص شرعیہ سے مسائل کے اسی طرح کے استنباط میں ممد ثابت ہوتی ہے ۔

ـ الاجتهاد بالقیاس

اجتہاد کا دوسرا اہم باب قیاس شرعی ہے ۔ قیاس شرعی کو ہمارے فقہاً قیاس منطقی کے مقابلے میں بولتے ہیں ۔

قیاس منطقی میں صغریٰ کبریٰ یا مقدم اور تالی منطقی مفروضہ کے مطابق دو یقینی مقدمات یا مسلمہ حقائق ہوتے ہیں ۔ ان کے باہم اجتماع سے حد اوسط کے اسقاط کے ذریعے خود بخود ایک تیسری حقیقت منکشف ہوتی ہے ، جسے نتیجہ بھی کہتے ہیں ۔ یہ نتیجہ آگے چل کر پھر مقدم یا تالی کا کام دیتا ہے اور کسی دوسرے یقینی مقدمہ سے مل کر ایک اور نئے نتیجے کا انکشاف کرتا ہے ۔ نتائج کا یہ سلسلہ پے در پے نتائج کے تسلسل کی شکل اختیار کر لیتا ہے ۔ یوں فکری ارتقاء کا سلسلہ لامتناہی طور پر آگے بڑھتا رہتا ہے ۔ ہیگل کا 'فلسفہ' ارتقاء فکر انسانی' اور اس کے خوشہ چیں کارل مارکس کا ''تاریخ کی اقتصادی یا مادی تعبیر'' کا نظریہ فی الحقیقت منطقی اسی طریق کار کی پیداوار تھا ۔

ہمارے فقہاء نے قیاس شرعی کے لیے اپنے انداز کی ایک جداگانہ تشریح و تعبیر پیش کی ہے ، جس کے مطابق سب سے پہلے نصِ شرعی سے ثابت ہونے والے حکم کی علت متعین کی جاتی ہے ۔ اس علت کی بنیاد پر اس حکم کو نئے پیش آنے والے واقعات اور تقاضوں تک توسیع دی جاتی ہے ۔ اس اعتبار سے قیاس شرعی ، شرعی احکام کے

اطلاقات کے دائرہ کی توسیع کا نام ہے ۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ قیاس شرعی کی تعبیر کا قیاس منطقی سے کوئی تعلق نہیں ۔ لیکن اس کے باوجود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیاس شرعی پر تفصیلاً عملی طور پر کام کرنے والا کسی درجے میں قیاس منطقی یا اس طرز استدلال سے استفادہ کرتا ہے یا نہیں ۔ کیا ایک مجتہد کو اس کی ضرورت پیش اتی ہے یا نہیں ۔ یہ ایک عجیب سوال ہے ، کیونکہ تدوین فقہ کے ابتدائی ادوار سے حنفی مذہب سے اختلاف رکھنے والے اصحاب ، احناف کو اصحاب الرأی یا اسی قسم کے اور نام دے کر مطعون کرتے چلے آئے ہیں ۔ ہمارے اسی مجلے میں شامل مقالات میں سے ایک مقالے میں علامہ اقبال کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے کہ

'' وہ (علامہ اقبال) محض عقلی موشگافیوں کے بھی قائل نہیں جو احناف کا شیوہ تھا کہ مجرد مسائل پر لمبی بحثیں ہوں ''۔

ممکن ہے یہ اسی قسم کی تنقید کا نتیجہ ہو کہ حنفی علماء اصولیین بھی اس بات سے شدت کے ساتھ بدکتے ہیں کہ وہ قیاس شرعی کے طریق کار کو منطقی استدلال یا اس کے طریق سے خلط ملط کریں یا باہم ملائیں ۔ مثال کے طور پر اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے ایک عظیم اصولی علامہ محب اللہ بہاری جو بہت بڑے منطقی بھی تھے اور منطق کے موضوع پر ان کی ایک نصابی کتاب (text-book) کو ان کی اپنی تمنا کے مطابق، وہی حیثیت حاصل ہوئی جو سورج کو دیگر سیارگان میں ہے (کالشمس بین النجوم سلم العلوم ، ص ۸)، انہوں نے اصول فقہ میں بھی بالکل اسی سطح کی ایک نصابی کتاب مسلم الثبوت لکھی - یہ مصنف کی ایک نادرۂ روزگار اور شاہکار تصنیف ہے جس میں انہوں نے بالکل مجتہدانہ اور اچھوتا انداز بحث اختیار کیا ہے ۔ نہ صرف یہ کہ جن مسائل پر علامہ محب اللہ نے بحث کی ہے عام اصولیین ان کو زیر بحث نہیں لاتے بلکہ انہوں نے تمام بحث کو خالص منطقیانہ رنگ میں رنگ دیا ہے ۔ اس کے باوجود وہ منطقی طریق استدلال کے ساتھ کوئی تعلق ظاہر کرنے سے یوں گریزاں ہیں کہ اصول فقہ پر اپنی اسی کتاب میں قیاس شرعی کے اصطلاحی معنی کی تشریح کے ضمن میں ارکان قیاس پر بحث کرتے ہوئے ایک موقعے پر یوں فرماتے ہیں :

ولو قطع بکون علة تامة رجع الی القیاس المنطقی (مسلم الثبوت ، ص)

پاک و ہند کے عظیم فاضل اور نقاد بحر العلوم مولانا عبدالعلی محمد لکھنوی جنھوں نے ملا بہاری کی مسلم الثبوت پر مبسوط اور جامع حواشی (footnotes) لکھے ہیں ، اس موقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ھذا لیس بشیٔ فان رجوعہ الی القیاس المنطقی ای شناعة فیه ، بل ھو اللائق بالقبول (شرح مسلم الثبوت ، ص ۵۲۳)

کہ ملا بہاری کے اس خوف کی کوئی بنیاد نہیں ہے ۔ اگر قیاس شرعی ، قیاس منطقی کی طرف پلٹ آتا ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے ۔ بلکہ اس سے وہ زیادہ قابل قبول ہو جاتا ہے ۔

دراصل فطرت نے کچھ مستقل اور لازوال اقدار متعین کی ہیں ؛ ان کو دوام حاصل ہے ۔ مختلف مناسبتوں سے علوم کی بنیاد انھیں میں سے کچھ اقدار پر ہوتی ہے ۔ علوم میں جس حد تک فطرت کے اصولوں کو سادگی اور صداقت سے اپنایا جاتا ہے ، نتائج بالکل تسلی بخش اور خرابی سے پاک ہوتے ہیں ۔ مگر جب ہم مبالغے سے کام لیتے ہوئے ان پر تکلفاً نتائج کی تعمیر کرنا شروع کر دیتے ہیں ، حتیٰ کہ اس قدر بے اعتدالی کے مرتکب ہوتے ہیں کہ اصل بنیاد ان نتائج کو سہارا دینے یا برداشت کرنے سے قاصر ہوتی ہے ۔ معاملہ کی سنگینی اس وقت افسوسناک حد تک جا پہنچتی ہے ، جب ہم اپنے مفروضات کو حقائق کا درجہ دے کر ان پر مزید تعمیر شروع کر دیتے ہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بات جس کی بنیاد حق پر پڑی تھی جھک کر باطل کی حدود میں گر جاتی ہے ۔ عمرو بن بحرالجاحظ اپنے وقت کا نادرۂ روزگار ادیب ، نقاد اور عظیم مفکر تھا ، اس نے اپنے استاذ نظام معتزلی پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرا استاد خود ساختہ مفروضے کو حقیقت سمجھ کر اس پر پے در پے نتائج تعمیر کرنے کا عادی ہے ، پھر جہاں کہیں اسے مشکل پیش آتی ہے تو وہ نتائج کے منطقی طریق کار کو بار بار جانچنا اور اس کی تنقیح کرنا شروع کر دیتا ہے ۔ جاحظ کہتا ہے کہ اگر وہ اس کی بجائے اصل بنیاد ہی کو از سر نو تنقیدی نگاہ سے جانچتا تو اس کی غلطی اس پر جلد واضح ہو جاتی ۔ صرف نظام ہی نہیں ہم سب روزمرہ کے علمی تحقیقی کاموں میں اسی غلطی کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں ۔

منطقیوں کی یہی مبالغہ آرائی تھی جس نے بہت سے عقلاء کو ان سے بدظن کر دیا ۔ ورنہ منطق کے اکثر اصول بنیادی طور پر ابدی ہیں جن سے فکری کاوش کرنے والا کبھی بے نیاز نہیں رہ سکتا ہے ۔ مثال کے طور پر ان کے اصول تجرید کو سب سے زیادہ ہدف طعن بنایا گیا ہے ، حالانکہ یہ ایک فطری اور ابدی اصول ہے جس کے ذریعے فطرت کا عمل تطہیر جاری رہتا ہے ، زائد از ضرورت اجزاء چھٹتے رہتے ہیں اور حقائق ایک بار پھر اپنی اصلی شکل میں آ کر جلا پاتے اور فکری عمل کو روشنی بخشتے رہتے ہیں ۔ قرآن مجید نے سورۂ الرعد کی آیت ۱۷ میں اپنے حکیمانہ تمثیلی انداز میں فطرت کے اسی عملِ تجرید کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ ارشاد ہے :

انزل من السماء ماء فسالت اودیة بقدرها فاحتمل السیل زبدا رابیا وما یوقدون علیه فی النار ابتغاء حلیة او متاع زبد مثله ؕ کذلک یضرب الله الحق والباطل ؕ فاما الزبد فیذهب جفاءً واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض ؕ کذلک یضرب الله الامثال ؕ ○

کہ اللہ آسمان سے پانی اتارتا ہے جس سے (پہاڑی) نالے اپنی مقدار کے مطابق چلنے لگتے ہیں ۔ پھر جب یہ سیلاب کی شکل اختیار کرتا ہے تو اوپر جھاگ کو لے آتا ہے ، جو بڑھتی رہتی ہے ، نیز جن چیزوں کو تم زیور یا اسباب حاصل کرنے کے لیے آگ

پر تپانے ہو ان پر بھی اسی قسم کا جھاگ چڑھ آتا ہے ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے ۔ جہاں تک جھاگ کا تعلق ہے وہ رائیگاں جاتا ہے ، اور جو چیز لوگوں کے لیے کارآمد ہوتی ہے اس کو زمین میں دوام ملتا ہے ، اس طرح اللہ تعالیٰ تمثیلاً بیان کرتا ہے ۔

بہرحال فقہی قیاس ، منطقی قیاس سے بالکل جدا ہے ۔ تاہم منطقی طریق استدلال 'شجرِ ممنوعہ' بھی نہیں کہ اس سے ہر صورت گریز کیا جائے ۔ تاہم جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ ہمارے فقہاء قیاس کس طرح کرتے ہیں ، یہ ایک مستقل علم ہے ۔ اس موضوع پر سینکڑوں ضخیم مجلدات تصنیف ہوئی ہیں جن کے مجموعی صفحات کی تعداد شاید لاکھوں سے بھی متجاوز ہو ۔ ان میں نہایت دقیقہ سنجی اور دیدہ ریزی سے قیاس و استنباط کے فقہی اصول و ضوابط سے بحث کی گئی ہے ۔ ان کا تفصیلی مطالعہ کیے بغیر ان کے متعلق خواہ مخواہ کوئی نامناسب رائے قائم کر لینا یا انھیں مطعون کرنا انسانی سطح پر افسوسناک المیہ ہوگا ۔ یہ موجودہ دور کی ایک اہم ترین ضرورت ہے کہ ہمارے ایسے اہل علم جو ہمارے اسلاف کی ان کتابوں کو سمجھ سکتے ہیں ، وہ ان کے طریق کار کو تفصیل کے ساتھ وقت کے علماء و فضلاء اور ماہرین قانون کے سامنے رکھیں تاکہ آج کے حالات میں جب کہ ہم تنفیذِ شریعتِ اسلام کی عملی کوششوں میں مصروف ہیں ، ہمارے جج حضرات ، وکلاء صاحبان اور مفتیان دین متین اس سے استفادہ کر کے نفاذ اسلام کے عمل کو تیز تر کر کے کامیابی سے ہمکنار کرنے میں کامیاب ہو سکیں ۔

اگلے باب کے تعارف سے پہلے فقہی قیاس کی ایک آسان ، سادہ اور عام فہم مثال پیش کرنا ضروری ہے تو لیجیے ، ذیل میں چند شرعی مسلمات کو مقدمات کی شکل میں ترتیب دے کر نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے :

۱۔ نماز ، روزہ اور حج کی طرح زکٰوۃ بھی ایک عبادت ہے ۔

۲۔ ہر عبادت کی ادائیگی بالذات اللہ تعالیٰ کے حضور ہوتی ہے ۔

اس لیے زکٰوۃ کی ادائیگی بھی بالذات اللہ کے حضور ہوگی ۔

جب :

۱۔ ہر عبادت کی ادائیگی بالذات اللہ تعالیٰ کے حضور ہوتی ہے — اور

۲۔ زکٰوۃ کی ادائیگی بھی اللہ تعالیٰ کے حضور بالذات ہوگی —

تو ۔ قرآن مجید کی آیت انما الصدقات للفقراء (الآیۃ) میں مذکور مصارف زکٰوۃ اس عبادت کی ادائیگی کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں ، بعینہٖ ایسے جیسے نماز کی ادائیگی کے لیے 'قبلہ' (کی طرف رخ کرنا) ایک ذریعہ ہے ۔

اس سے استنباط ہوا کہ: